Fikr-o-Nasar (Islamabad) 42:1 (2004)

بابا محمد عثمان کشمیری

شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی کے ایک شاگرد کے حالات و تصنیفات

ڈاکٹر عارف نوشاہی☆

حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی (۱۱۱۴-۷۶ھ/۱۷۰۳-۶۲ء) کے ایک کشمیری شاگرد بابا محمد عثمان کے حالات برّصغیر میں چودھویں صدی ہجری کے بالکل اوائل/انیسویں صدی عیسوی کے اواخرمیں لکھے جانے والے علماء کے تذکروں میں مل جاتے ہیں۔ ان تمام تذکروں میں مشترکہ بات متعلقہ حالات کا اختصار اور یکسانیت ہے۔ جن تذکروں میں بابا محمد عثمان کشمیری کے مختصر حالات درج ہوے ہیں، ان کے نام یہ ہیں: مولوی فقیر محمد جہلمی (۱۲۶۰؟-۱۳۳۴ھ/۱۸۴۴-۱۹۱۶ء) کا حدایق الحنفیہ (تکمیل ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء، اضافہ ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۳ء)، مولوی رحمان علی (۱۲۴۴-۱۳۲۵ھ/۱۸۲۸-۱۹۰۷ء) کا تذکرۂ علماے ہند (تصنیف ۱۳۰۵-۱۳۰۷ھ/۱۸۸۷-۱۸۹۰ء) اور ابو محمد مسکین حاجی محی الدین مسکین کبروی سرہندی کشمیری (پ ۱۲۸۲ھ/۶۶-۱۸۶۵ء) کا تحایف الابرار فی ذکر الاولیاء الاخیار (تصنیف ۱۳۱۰ھ/۹۳-۱۸۹۲ء)۔

مولوی فقیر محمد جہلمی کے بقول: ''بابا محمد عثمان بن شیخ محمد فاروق بن شیخ محمد حسنی [کذا:چشتی] عالم، فاضل، فقیہ، محدث تھے۔ علوم مولانا سعدالدین صادق و مولانا حاجی محمد و اخوند مقیم السنہ [کذا] سے حاصل کیے۔ پھر وطن چھوڑ کر دہلی میں شاہ ولی اللہ محدث کی خدمت میں پہنچے اور ان سے علم حدیث و کتب شریعت کی اجازت حاصل کی اور علمِ طریقت کو اخذ کیا۔ جن دنوں ہندوستان میں فتنہ و فساد حائل تھا(۱)، آپ اپنے وطن میں آگئے اور خواجہ عبدالرحیم پنج کمانی [کذا: شیخ کمانی] سے بھی بہت کچھ فیض حاصل کیا۔''(۲)

مولوی رحمان علی کو بابا محمد عثمان کے مفصّل حالات نہیں ملے، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنے تذکرہ میں ان کا ذکر'' تکملۃ الکتاب''میں محض چند الفاظ میں یوں کیا ہے:

☆ ادارۂ معارف نوشاہیہ، ۶۹ ماڈل ٹاؤن، ہمک، اسلام آباد

DMHL

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IIU, Islamabad. http://iri.iiu.edu.pk/

(ترجمہ:) ''بابا محمد عثمان کشمیری ابن شیخ محمد فاروق ،ملاّ سعدالدین صادق وغیرہ علمائے کشمیر کے شاگرد تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہ کی خدمت میں بھی پہنچے اور حدیث و فقہ کی اجازت حاصل کی۔''(۳)

حاجی محی الدین مسکین کشمیری نے بابا محمد عثمان کے ہم وطن ہونے کے باوجودان کے بارے میں کوئی خاص معلومات بہم نہیں پہنچائیں۔ ان کا سال وفات تک نہیں لکھا، جس کا اہتمام وہ دوسرے رجال کے بارے میں اکثر و بیشتراپنی کتاب میں کیا کرتے ہیں۔ ان کا بیان یہ ہے:

(ترجمہ:) ''شیخ عثمان رادھو، شاہ محمد فاروق بن شیخ محمد چشتی کے بیٹے ہیں۔ انہوں نے مولانا سعدالدین صادق، اخوند ملاّ سلیمان، ملاّ محمد مقیم اور ملاّ حاجی محمد سے علوم عقلی اور نقلی میں استفادہ کیا اور دہلی شہر میں ختم المحدثین شاہ ولی اللہ دہلوی سے حدیث کی اجازت کا شرف حاصل کیا اور باطنی علم میں بھی فیض یاب ہو کر واپس وطن لوٹے۔ یہاں [کشمیرمیں] حضرت خواجہ عبدالرحیم نقشبندی المعروف خواجہ شیخ کمان... کے مرید ہوے اور ان سے تعلیمات پا کر خود بھی معرفت کا چراغ روشن کیا۔ بابا محمد عثمان جودت طبع اور حسن تقریر میں یکتا اور بےنظیر تھے۔ جب وفات پائی تو اپنے آبائی قبرستان میں دفن ہوے۔''(۴)

حاجی محی الدین کشمیری نے بابا محمدعثمان کے ایک مرید رحمہ شاہ (م:۱۵ربیع الآخر ۱۱۸۷ھ/۱۷۷۳ء) کا تذکرہ بھی کیا ہے جو موضع ترچھل پرگنہ چھراٹ میں رہتے تھے۔(۵)

بابا محمد عثمان کشمیری کے بارے میں دوسرے تذکروں سے دست یاب اطلاعات بس اسی حد تک ہی ہیں۔ اس سے پہلے کہ ہم ان کے حالات پر مبنی ایک خود نوشت تحریر پیش کریں جو دراصل ہمارے اس مقالے کی بنیاد ہے، ہم چاہیں گے کہ ان کے آباواجداد اور علمی و روحانی اساتذہ (شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی کے علاوہ) کا مختصر تعارف بھی درج کردیں۔

شیخ محمد چشتی (جدّ)

بابامحمد عثمان کے جدّ شیخ محمد چشتی المعروف رادھو، محلّہ باغ یوسف شاہ [سری نگر؟] میں سکونت رکھتے تھے۔ ان کا تعلق حضرت خواجہ طاہر رفیق اشائی(۶) (م: غرہ ذی الحجہ ۱۰۰۱ھ) بن خواجہ ابراہیم اشائی کے قبیلہ سے تھا۔ مولوی حیدر چرخی(۷) (م:۲۲ صفر ۱۰۵۷ھ) سے عقلی اورنقلی علوم حاصل کیے اور کچھ عرصہ پیشۂ تدریس سے منسلک رہے۔ پھر شیخ محمد علی چشتی کی خدمت میں پہنچ کر طریقۂ چشتیہ کی تعلیم و تربیت حاصل کی۔ وہ ہمیشہ حضراتِ چشتیہ کے طریقہ کے مطابق ذکر جہر کرتے تھے۔ ان کے

متعدد خلفا ہوے، جیسے بارہ مولہ میں شیخ محمد چشتی بن شیخ جلال چشتی اور محلّہ باغبان پورہ میں شیخ عبدالکریم۔ شیخ محمد چشتی رادھو شاعرانہ مذاق بھی رکھتے تھے۔ کہتے ہیں کہ انہوں نے ایک سال میں ایک لاکھ اشعار کہے۔ وہ اپنے زمانے میں [حضرت بل میں] آنحضرت ﷺ سے منسوب موے مبارک کی زیارت کروانے پر مأمور تھے۔ ۱۶شوال۱۱۲۶ھ/۱۶اکتوبر۱۷۱۴ء کو انتقال ہوا اور اپنے مکان کے پاس ہی دفن ہوے۔[۸] انہوں نے شیخ نظام الدین تھانیسری کی کسی عبارت [یارسالہ] کی شرح بھی لکھی تھی۔ اس کا ذکر آگے چل کر آے گا۔ ان کے چار بیٹے شیخ علی ،شیخ صدیق، شیخ عابد اور شیخ فاروق تھے۔ چاروں اپنے والد کے مرید تھے اور فضل و کمال میں ممتاز تھے۔ چاروں وفات کے بعد اپنے والد کے جوار میں دفن ہوے۔[۹]

مولانا سعدالدین صادق (استاد)

مولانا سعدالدین صادق اپنے والد مولانا امان اللہ کشمیری دہلوی کے شاگرد تھے۔ مولانا امان اللہ ہنگامۂ نادری میں ۱۵ ذیقعدہ ۱۱۵۲ھ کو بمقام پانی پت شہید ہوے تھے۔[۱۰] مولانا سعدالدین ۱۱۲۶ھ/۱۷۱۴ء میں پیدا ہوے۔ مباحثہ اور مناظرہ کرنے میں بے مثال تھے۔ پیشہ تعلیم و تدریس تھا، لیکن تصوف کے حقایق و معارف سے بھی بہرہ ور تھے۔ ان کے والد نے انہیں کشمیر سے دہلی بلا لیا تھا۔ وہیں اپنے والد کی شہادت کے کوئی ۳۵دن بعد۲۳ ذی الحجہ۱۱۵۲ھ/۱۷۴۰ء کو رحلت فرماکر اپنے والد کے جوار میں دفن ہوے۔[۱۱] ان کے بیٹے مولوی قوام الدین (م: ۱۵ذیقعدہ۱۲۱۹ھ/۱۸۰۵ء) بھی عالم دین اور کشمیر کے شیخ الاسلام تھے۔شیخ عبدالرحیم نقشبندی کے مرید تھے اور چوبیس سال تک ان کی خدمت میں رہے اور ان کے حالات و کمالات میں رسالۂ قوامیہ تصنیف کیا۔[۱۲]

اخوند ملاّ سلیمان (استاد)

مولانا خواجہ ابوالفتح کلو[۱۳] (م:۱۱۰۰ھ/۱۶۸۹ء) کے بیٹے تھے۔تقریبا ۱۱۰۵ھ/۱۶۹۴ء میں پیدا ہوے۔ پہلے اپنے والد کے ایک شاگرد ملا عنایت اللہ شال[۱۴] (م: شعبان۱۱۲۵ھ/ ۱۷۱۳ء) اور بعدمیں مولانا عبدالشکور بلخی سے اکتساب علوم کیا۔علم اسطرلاب، ریاضی اور حساب میں امتیاز حاصل کیا۔ نواب عنایت اللہ خان صوبہ دار کشمیر کے زمانے میں انہیں صدر مدرس بنایا گیا۔ وہ فجر سے نماز عشاء تک مسلسل تدریس کرتے۔ سرکار کی طرف سے جاگیر ملی ہوئی تھی، اسی پر قناعت کرکے فراغت خاطر کے ساتھ شریعت اور طریقت کی بجا آوری میں منہمک رہے۔ ۳ربیع الاول۱۱۶۲ھ/۱۰فروری۱۷۴۹ء

کو وفات پا کر جامع مسجد کلاں [سری نگر] کے قریب اپنے آبائی قبرستان میں دفن ہوئے۔(۱۵)

خواجہ عبد الرحیم نقشبندی (شیخ طریقت)

خواجہ عبدالرحیم ملقب بہ خواجہ شیخ کمان، ابن خواجہ محمد شریف بن خواجہ محمد اشرف بن خواجہ محمد اتا تاشقندی۔ آپ کے آبا واجداد کے پاس حکومتِ تاشقند تھی۔ چوبیس سال کی عمر میں اپنے بھائی خواجہ شاہ نیاز نقشبندی کے ساتھ وطن سے نکلے اور پنجاب میں نواب عبدالصمد خان سیف الدولہ، جو ان کا قرابت دار بھی تھا، کے ہاں قیام کیا۔ وہاں سے دہلی پہنچے اور محمد شاہ غازی نے انہیں ''شیخ کمانی'' کا خطاب دیا۔ جب جذبۂ باطنی غالب ہوا تو بادشاہ کی مصاحبت چھوڑ کر شیخ محمد عابد سرہندی خلف شیخ عبدالاحد سرہندی مجددی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آدابِ طریقت سیکھے۔ دہلی میں دونوں بھائی خواجہ موسیٰ خان دہ بیدی سے مستفید ہوئے اور اجازت و خلعت پا کر شیخ کے ہم رکاب خراسان چلے گئے۔ خراسان سے واپسی پر میرزاخان حاکم پنجاب کے زمانے میں ایمن آباد کے فوجدار مقرر ہوئے۔ سکھوں اور احمد شاہ درّانی کی لڑائی میں ان کے بھائی خواجہ شاہ نیاز شہید ہوگئے تو یہ جموں چلے گئے اور وہاں سے اپنے شیخ طریقت خواجہ موسی خان دہ بیدی سے دوبارہ ملنے ترکستان گئے۔ مرشد نے انہیں کشمیر میں رہنے کا حکم دیا۔ چنانچہ یہاں جاگیر خریدی اور خلقِ خدا کی راہ نمائی کرتے رہے۔ متعدد علما و مشائخ ان کے مریدوں میں شامل تھے۔ شیخ الاسلام ملا قوام الدین نے رسالۂ قوامیہ (فارسی) اور شیخ شرف الدین زنگیر نے رسالہ روضۃ الشرف (فارسی) ان کے حالات و مناقب میں تصنیف کیا ہے۔

۱۲ جمادی الاول ۱۲۰۰ھ / ۱۳ مارچ ۱۷۸۶ء کو ۱۰۱ سال عمر پا کر کشمیر ہی میں فوت ہوئے۔(۱۶)

بابا محمد عثمان کشمیری کے خود نوشت حالات

خوش قسمتی سے ہمیں بابا محمد عثمان کشمیری کی چند فارسی تصانیف قلمی صورت میں نیشنل آرکائیوز آف پاکستان، اسلام آباد میں ملی ہیں۔ ان میں سے ایک تصنیف کے دیباچے میں انہوں نے اپنے کچھ حالات بھی تحریر کیے ہیں۔ یہ تحریر اور ان کی چند تصانیف کی دست یابی ہی دراصل ہمارے اس مضمون کا محرک ہے۔ یہاں پہلے ہم ان کے خود نوشت حالات لکھیں گے، بعد میں ان کی دست یاب تصانیف کا ایک مجمل تعارف پیش کریں گے۔ افسوس کہ مجھے بابا محمد عثمان کشمیری کا نہ تو سال پیدائش اور نہ ہی سال وفات معلوم ہو سکا ہے۔ صرف یہ معلوم ہے کہ وہ ۱۱۸۶ھ/۱۷۷۲ء میں زندہ تھے۔ انہوں نے فارسی رسالہ مسئلہ حیات انبیاء کے دیباچے میں اپنے حالات تحریر کیے ہیں۔ یہ دیباچہ

(فارسی) بطور ضمیمہ اس مقالے کے آخر میں پیش کیا گیا ہے۔ یہاں اس کا اردو ترجمہ۔ جو راقم السطور نے کیا ہے۔ پیش خدمت ہے:

''خاکسار بابا محمد عثمان بن بابا محمد فاروق بن شیخ محمد چشتی المعروف شیخ بابا۔ **کان اللہ لھم فی الدنیا و العقبی**۔نے چار سال کی عمر میں قرآن حفظ کرنا شروع کیا اور دس سال کی عمر میں اس سے فراغت پاکر فارسی کی قدیم و جدید نظم و نثر [اور] تاریخ کی کتابیں پڑھنا شروع کیں اور بارہ سال کی عمر میں متداول رسائل پڑھ لیے۔ اس کے بعد اپنی استعداد کے مطابق نظم و نثر اور غزل ومثنوی پر مشتمل تصنیفات کا مطالعہ کیا اور عربی علوم کا درس پڑھنے لگا۔ اس دیار [کشمیر] میں علوم معقول و منقول کی جن جن کتابوں کا رواج تھا وہ اکابرِ وقت کی خدمت میں رہ کر تھوڑے ہی عرصے میں پڑھ ڈالیں اور سترہ سال کی عمر میں اساتذہ کی اجازت سے تدریس میں مشغول ہو گیا۔ کم و بیش دو تین سال اسی طرح گزر گئے۔ اسی اثنا میں والد صاحب رحلت فرما گئے اور میرے حالات پریشان ہو گئے۔ چوبیس سال کی عمر میں ہندوستان جا کر سیال کوٹ اور لاہور کے اولیاء اور فضلاء سے ملاقات کرتا ہوا دہلی جا پہنچا۔ وہاں مجھے نواب روشن الدولہ کے قدیم مدرسہ میں تدریس سونپ دی گئی۔ اکابر امراء میں سے ایک امیر کے ساتھ دوستی بھی ہو گئی اور یوں ان دو ذرائع سے میری روزی کا خود بخود بندوبست ہو گیا۔ یہاں مجھے قاضی مبارک(۱۷)، ملّا احمد اللہ(۱۸) اور پورب کے دیگر علماء کی صحبت نصیب ہوئی، جن سے حواشی میرزاہد ہروی،(۱۹) سلم(۲۰) اور مسلّم(۲۱) پڑھنے کا موقع ملا۔ اسی دوران متعدد اولیاء کے دیدار کی سعادت بھی حاصل ہوتی رہی۔ کتب [صحاح] ستّہ کی اجازت شیخ عبداللہ سالم بصری کے شاگرد حاجی محمد افضل لاہوری(۲۲) اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے پوتوں(۲۳) سے پائی۔ چودہ سال تک شیخِ دہلی شاہ ولی اللہ محدث نقشبندی عمری کی خدمت میں آنا جانا رہا۔ صحاح ستّہ کا بیشتر حصّہ، مسند امام احمد، موطاے امام مالک، آثار امام محمد، موطاے امام محمد، حجۃ [اللہ] البالغہ کا کچھ حصّہ، فصوص الحکم کا بیشتر حصّہ، فتوحات المکیہ کا کچھ حصّہ، عوارف المعارف کا نصف، قصیدۂ فارضیہ، الٰہیات شفا، لمعات، تاویل الاحادیث، عقدالجید، الانصاف، قول جمیل اور ہمعات(۲۴) ان کی خدمت میں پڑھیں۔ کلام مجید کا آخری نصف ان سے سنا اور طُرق حدیث، قاعدۂ تحدیث اور احکام کی روایت اور استنباط کرنا ان سے سیکھا اور تمام مرویات کی اجازت پائی اور طریقۂ نقشبندیہ میں داخل ہو کر اشغال حاصل کیے۔ جب نسبتِ نقشبندیہ سے کچھ آشنائی ہو چکی تو قادریہ، چشتیہ اور سہروردیہ سلسلوں کے اشغال بھی سیکھے۔ کیا کیا فائدے تھے جو مجھے حاصل نہ ہوے۔ **الحمدللہ علی ذلک**۔

اڑتیس سال کی عمر میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی خدمت سے رخصت ہو کر اپنے وطن [کشمیر] پہنچا۔ ان دنوں وہاں ایک غاصب سکھ جیون(۲۵) کا تسلط تھا، میں [ایسے شخص سے] چند ہزار دام پر مشتمل اپنی چغتائی مددمعاش واگذار کروانے کی بجاے ایک گوشۂ گمنامی میں اوراد و وظایف اور معقول و منقول کی تدریس میں مشغول ہو گیا۔کم و بیش تین سال اسی غربت اور پریشانی میں گزر گئے اور علاقے کے ایک بھی غبی غنی سے ۔خدا انہیں برباد کرے۔ کچھ التفات اور مراعات نہ پائی۔ تا آن کہ بادشاہ اسلام ...[ترجمے میں القاب اور مدحیہ اشعار حذف کردیئے گئے ہیں]احمد شاہ غازی نے پنجاب پر حملہ کیا(۲۶) اور سردار نورالدین خان کو کشمیر فتح کرنے کے لیے بھیجا۔غیبی کمک سے کشمیر جنت نظیر ان کے ہاتھوں فتح ہوا اور ان کے تصرف میں آ گیا۔اس کے ساتھ ہی نواب منعم الدولہ سدوزئی کشمیر کا صوبہ دار بن کر یہاں آیا اور عدل و احسان قایم کیا اور فقراء و علماء کی قدردانی ہونے لگی۔نواب نے اِس خاکسار کو بھی طلب فرمایا اور مہربانی کی اور سکھ جیون کے زمانۂ تسلط میں میری ضبط شدہ چند ہزار دام کی چغتائی مدد معاش بحال کی۔اس سے میری کچھ پریشانی دور ہوئی اور فراغت نصیب ہوئی تو حواشی میر زاہد پر تعلیقات،سلم کی مختصر شرح اورتصوّف و حدیث پر مختصر رسائل تصنیف کیے۔نواب منعم الدولہ کی فرمایش پر میں نے زبدۃ الآثار کا [فارسی] ترجمہ اور فتوحات [مکیہ] کا مختصر [فارسی] ترجمہ سفرِسادس تک کیا۔ دو سال کے بعد جب نواب منعم الدولہ واپس چلے گئے تو فقراء کے دشمنوں نے۔ جو ہمیشہ سے اس جماعت کی عداوت میں آگے آگے رہے ہیں۔ میری واگذار شدہ مدد معاش دوبارہ ضبط کر لی اور مجھ سے مبلغ سو روپیہ بطور جرمانہ لے گئے۔ دوبارہ پریشان حالی عود کر آئی اور مجھے گوشۂ گمنامی میں جاناپڑا۔ تاآن کہ اب ۱۱۸۰ھ[۶۷-۱۷۶۶ء]میں بعض طالب علموں کی تحریک پر نواب مصلح الدولہ نے اس خاکسار کو طلب کیا ہے...۔"(۲۷)

تصنیفات

بابا محمد عثمان نے مذکورہ بالا خودنوشت میں اپنی جن تصنیفات کا ذکرکیا ہے وہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ تعلیقات بر حواشی میر زاہد ہروی

۲۔ مختصر شرح سلم

۳۔ ترجمۂ زبدۃ الآثار

۴۔ مختصر ترجمۂ فتوحات المکیہ (تا سفرِ سادس)

۵۔ تصوّف و حدیث پر مختصر رسائل جن کا نام نہیں لیا گیا۔ انہوں نے آینۂ قدرت کے دیباچے میں

بھی اس طرف اشارہ کیا ہے کہ بعض بزرگوں کی درخواست پر انہوں نے صوفیہ کے مشکل کلمات کی شرحیں لکھی ہیں،لیکن نام یہاں بھی نہیں بتایا۔

اس کے علاوہ ان کی دو اور تصانیف بھی ہیں:

۶۔ مکتوبات

۷۔ رسالہ در مسئلہ حیات انبیاء

بابامحمدعثمان کشمیری شعر گوئی کا مذاق بھی رکھتے تھے اور ان کا فارسی نمونۂ کلام دستیاب ہے۔

مندرجہ بالا فہرست میں سے ہمیں فی الحال بابا محمد عثمان کشمیری کی تین تصانیف دست یاب ہوئی ہیں۔ ایک اور کتاب کشف المعانی جو ان کی تصنیف تو نہیں ہے لیکن شایداس کا کوئی تعلق ان سے ہو، وہ بھی دست یاب ہے۔ اتفاق سے یہ سب کتابیں‌ایک ہی جگہ یعنی نیشنل آرکائیوز آف پاکستان، اسلام آباد میں موجود ہیں اور مجھے جون۲۰۰۳ء میں وہاں دیکھنے اور ان سے استفادہ کرنے کا موقع ملاہے۔ اس کے لیے میں آرکائیوز کے منتظمین کا شکر گزار ہوں۔ آرکائیوز کے ذخیرۂ مفتی فضل عظیم بھیروی میں شمارہ: اسلام/ 646 کے تحت ایک ناقص الطرفین قلمی بیاض محفوظ ہے۔ اس بیاض کے کاتب یا قدیم مالک نے اس کے جو ورق شمار لگاے تھے اُس کے مطابق اب صرف اوراق ۳۰ تا [۴۴] اور ۷۹ تا ۹۳ باقی بچے ہیں۔انہی اوراق میں‌بابا محمد عثمان کی دو نامکمل تصانیف اورایک مکمل تصنیف نقل ہوئی ہے۔

مکتوبات(نامکمل)

مکتوبات اس بیاض میں اوراق ۳۰ تا ۴۴؛ ۸۲ تا ۸۶؛ ۸۹ تا ۹۳ نقل ہوے ہیں۔ یہ عربی اور فارسی میں ہیں۔ عربی خطوط اپنے استاد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے نام ہیں[۲۸] جب کہ فارسی خطوط مختلف افراد کے نام ہیں۔ ان تمام افراد کی شناخت اس لیے بھی مشکل ہے کہ مکتوب نگار نے بعض افراد کو نام کی بجاے ان کے لقب سے یاد کیا ہے اور بعض مکتوب الیہم کے نام اور لقب بھی نہیں لکھے۔ ان میں سے چندخطوط کے مضامین کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔

۱۔ خلیفۂ اعظم کے نام؛ اس میں لکھتے ہیں کہ میں نے سن رکھا تھا کہ [میرے] جدّ بزرگوار [شیخ محمد چشتی] چند روز حافظ شیرازی کا یہ شعرمسلسل پڑھتے رہے:

چرا چون لالہ خونین دل نباشم؟
کہ با ما نرگس او سر گران است

اور گوشۂ تنہائی میں بیٹھ کر اس کی شرح لکھتے رہے ۔جب اس شعر پر تامّل کیا تو مفہوم واضح ہو گیا جو محض فیض غیبی تھا اور وہ یہ کہ نرگس آنکھ کی طرف اشارہ ہے اور آنکھ بمعنی عین ہے اور ''عین'' سے مراد ذات ہے۔''سرگرانی نرگس''اصحاب ذات بہ حُجب صفات کی طرف کنایہ ہے۔خاکسار نے بھی اسی فیض غیبی سے ایک شعر کہا ، بعدمیں اس پر کچھ اور اشعار کا اضافہ کیا جو آپ کو سنانا چاہتا ہوں:

بسانِ صید در دام اضطرابِ طرفہ ای دارم ‏ ‏ ‏ برنگ موی آتش دیدہ تابِ طرفہ ای دارم

بدان چون اہلِ ساحل با امید از بحر غرقابم ‏ ‏ ‏ کہ من از چشمہ سار وحدت آبِ طرفہ ای دارم

بحمد للہ کہ ظلمت دور شد از شستہ صافی ام ‏ ‏ ‏ بدل از صورت او آفتابِ طرفہ ای دارم

...(۲۹)ہرگز نمی یابی کمالِ دانش ای بیخود ‏ ‏ ‏ کہ من از جوہر خود پیچ و تابِ طرفہ ای دارم

اس مکتوب سے ہمیں یہ پتا بھی چلتا ہے کہ بابا محمد عثمان کا تخلص ''بے خود'' تھا۔

۲۔ مکتوب الیہ نامعلوم؛اس خط میں مرزا محمد سلام کو پڑھنے کی تاکید کی ہے۔

۳۔ نواب عباد اللہ خان کے نام؛

۴۔ نواب نصرت جنگ کے نام؛

۵۔ مکتوب الیہ نامعلوم جو غالباً کشمیر میں تھا۔مکتوب نگار سفر قنوج کے بعد دہلی لوٹے اور یہ خط لکھا۔''اما از ابتدای ورود دہلی تا امروز ہزاران عریضۂ نیاز مرسل گردید،لیکن مجرد چیز رسیدی نرسید تا بہ جواب چہ رسد''۔ اور ''عرضی کہ در خدمت فلانہ فرستادہ بودند،فقیر آن را از نظر عالی گذرانیدہ،ذکرِ کمیِ جاگیر بسیار کردہ شد۔ خدا کند کہ آبرویی بہ ظہور انجامد۔مبلغ یک ہزار و سیصد روپیہ بابت زر جاگیر ارسال داشتہ اند''۔

۶۔ خلیفہ صاحب کے نام؛

۷۔ فاضل بابا کے نام؛

۸۔ مخدوم صاحب کے نام؛ لیلۃ القدر کے بارے میں لکھاہے کہ کس رات اور کس گھڑی میں واقع ہوتی ہے۔''ارشاد عالی درجات خود مدّظلّہ دیدہ ام کہ در سالی این خاکسار ہمراہ خدّام کرام ایشان در مسجد ایشان معتکف بود، بیست و یکم ماہ مبارک رمضان از حجرۂ خاص بیرون آمدند و یاران را بشارتِ لیلۃالقدر دادند... و بعدچند سال دیگر باز در بندگی ایشان حاضر بودم کہ بیست و ہفتم [رمضان] ازمعتکف خود جلوہ فرما شدہ فرمودندکہ بہ دعا وصلوۃ متوجہ باشید کہ اینست لیلۃ القدر... **هذا ما نقلت من خط بعض خلفای جدّی علیه الرحمه والعهدة علی الراوی.** و از جدّ بزرگوار علیہ الرحمۃ منقول است

کہ شب ششم رجب شبِ قدر مشاہدہ کردند و اشجار را دیدند کہ در سجدہ منحنی گردیدند۔ ایشان مشغول تحریر بودند،قلم از دست ایشان بی اختیار جدا شدہ افتاد۔''

۹۔ اپنے والد کے ایک خلیفہ کے نام؛عربی میں۔

۱۰۔ نواب صاحب کے نام؛

۱۱۔ مرشد [حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی] کے نام؛یہ غالباً کشمیر سے لکھا گیا ہے اور وہاں کے حالات اوراپنی مایوسیوں پر ایک تبصرہ کیا ہے۔ انہی دنوں حضرت شاہ ولی اللہ محدث کے فرزند ارجمند شاہ عبد العزیز دہلوی (۱۱۵۹۔۱۲۳۹ھ/۱۷۴۶۔۱۸۲۴ء) کی شادی ہوئی تھی، اس کی مبارک باد بھی لکھی ہے۔''خرابی احوال درین کفرستان کرای نوشتن نکند۔ زندگانی بہ آخر رسید۔ روی آرزوی روحانی در آینۂ خیال ندید۔ ہرچند در ذکر و فکر لذتی ہویدا ست اما غیب مسموعہ ناپیداست... در اسباب نیکی معاش اگرچہ فراخی است اما دندان بر جگر افشردہ سعی کارھای دنیوی در تراخی است... خاکساروضع خود بر نمی گرداند۔ در ماہ یک مرتبہ از کُنج مسجد بہ جہت حفظ جان بر می آید و ملاقاتش می نماید۔ انصرام امرِ خیر عبدالعزیز صاحب شنیدہ، بہ عرض مبارک باد۔''

۱۲۔ کسی دوست کے نام؛

۱۳۔ ملاّ محمد وفاکے نام؛اس خط میں مولوی حسام الدین اور کتاب کارنامۂ تیمور کے نسخے کا ذکر ہوا ہے جس میں کتابت کی اغلاط تھیں اور مکتوب نگار نے اسی مناسبت سے فارسی کی یہ ضرب المثل نقل کی ہے''غلطِ کتاب، اعجاز کُتّاب است'' یعنی کتاب کی غلطی کاتبوں کا معجزہ ہے۔

۱۴۔ نواب علی قلی خان کے نام؛ اس خط میں حسن قلی خان کا ذکر بھی ہوا ہے۔

۱۵۔ ملا محمد مقیم کے نام؛ کسی مولوی صاحب کی رحلت کی تعزیت پر۔مکتوب الیہ ممکن ہے وہی بزرگ ہوں جو بابا محمد عثمان کے استادبھی تھے۔

۱۶۔ شیخ طریقت[حضرت شاہ ولی اللہ] کے نام؛ عربی میں خط طویل القاب کے ساتھ؛

۱۷۔ شیخ [شاہ] عبد العزیز کے نام؛یہ خط کشمیر سے لکھا گیا ہے اور بابا صاحب نے دہلی میں اپنے استاد زادوں اورحضرت شاہ ولی اللہ کے دیگر مریدوں اور حاضر باشوں کو یاد کیا ہے اور انہیں سلام بھیجا ہے، جیسے میاں محمد صاحب، میاں محمد رفیع الدین صاحب، میاں عبدالقادر صاحب، صاحبزادۂ عالی تبار [شاید شاہ عبدالغنی]، میاں محمد عاشق [پھلتی؟]، میاں نوراللہ، میاں محمد امین، محمد جواد، فصیح اللہ اور کرم بخش۔

۱۶۔ ایک خط جو''مخدوما مکرما'' کے خطاب سے شروع ہوتا ہے (ورق۹۰ الف)، اس میں امیر

خسرو کے معروف شعر:

بدریای شہادت چون نہنگ لا بر آرد سر
تیمّم فرض گردد نوح را در عین طوفانش

کی شرح کی طرف اشارہ کرتے ہوے لکھاہے: ''مرشدِ مرشدِ این عارج معارجِ تقصیر و فروتری حضرت نظام الدین تھانیسری عبارت اول را درنسخہ ای از نسخ خود بتقریب آوردہ و در شرح آن ذکر کردہ''؛ اور آگے چل کر لکھتے ہیں ''و جدّ امجد این فقیر عبارتِ اخیر را شرحی کبیر نوشتہ اند کہ خلاصۂ آن بہ قلم می آید'' اور اس کا خلاصہ لکھاہے۔

ترجمۂ زبدۃ الآثار منتخب بہجۃ الاسرار موسوم بہ آینۂ قدرت (نامکمل)

اس بیاض کے ورق ۷۹ تا ۸۱ پراس ترجمے کا صرف دیباچہ نقل ہوا ہے اور متن غائب ہے۔تاہم اس دیباچے کی مددسے اس ترجمے کے بارے میں بنیادی معلومات حاصل ہوجاتی ہیں۔ زبدۃالآثار شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی عربی کتاب ہے اور شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے حالات و مناقب پر کتاب بہجۃ الاسرار مؤلفہ نورالدین ابوالحسن علی بن یوسف شافعی المعروف ابن جہضم ہمدانی (م۷۱۳ھ/۱۳۱۴ھ) کی تلخیص ہے۔ بابا محمد عثمان اپنے دیباچے میں لکھتے ہیں: ''در خدمت عارف باللہ، مجدد دورۂ بازپسین، مقرب درگاہ سبحانی حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ السامی مدتی خاک بوسی نمود و آشنا بہ طُرق صوفیہ گشت و بہ استدعای بعضی بزرگان اکثر کلمات مشکلۂ این طایفہ را شرح ہا نوشت''۔ پھر احمد شاہ درّانی کا دورِ حکومت [۱۱۶۰۔۱۱۸۷ھ/۱۷۴۷۔۱۷۷۳ء] آیا اور نواب منعم الدولہ بلند خان بہادر سدوزئی [صوبہ دار کشمیر] نے ۱۱۸۶ھ/ ۱۷۷۲ء میں خطۂ کشمیر کو اپنے ورودِ مسعود سے گلشن آباد بنا دیا اور اپنے عدل و انصاف سے کشمیر کو کفّار کے ظلم سے پاک کیا۔ نواب صاحب سلسلۂ قادریہ سے وابستہ تھے۔ انہوں نے مترجم کو بھی نوازا اور زبدۃالآثار کو روزمرہ فارسی زبان میں ترجمہ کرنے کا حکم دیا۔ مترجم نے یہ کام شروع کیا اور اس موقع پر یہ نظم لکھی:

آینۂ قادر قدرت نمای — یافتم این ترجمۂ جانفزای
نام نہاد آینۂ قدرتش — ہاتف غیبی بنگر صفوتش
قدرشناسان کہ گہر سفتہ اند — دُرج دُرِ معرفتش گفتہ اند
قدرت قادر ہمہ پیدا درو — الطف اسرار ہویدا درو
در چمن ہر ورقش کن نظر — راز نہانیست چو گل جلوہ گر

نام خدای حمد شد بجا منتخب بہجۃ الاسرار را
آری ہر مصرع گہری چو حرف یابی تاریخ بطرز شگرف

کتاب کا آغاز اس عبارت سے ہوتا ہے: الٰہی بہ محض موہبت خاص از نعمتِ خوان عظیم الشان احسانِ ''کانک تراہ'' ما گدایانِ تہی دست را کہ بر خاک مذلت افتادہ ایم۔

رسالہ درمسئلہ حیات انبیاء (مکمّل)

یہ رسالہ اس بیاض کے ورق ۱۸۶الف تا ۱۸۹الف نقل ہوا ہے۔اس کا سببِ تصنیف مصنف نے یوں بیان کیا ہے:

(ترجمہ:) ''۱۱۸۰ھ/۶۷-۱۷۶۶ء میں [کشمیر کے] نواب مصلح الدولہ نے بعض طالب علموں کی تحریک پر اس خاکسار کو طلب کیا اور مناظرہ اور مسئلہ بیان کرنے کے لیے کہا۔ چوں کہ وہ میلاد النبی ﷺ کے دن تھے، میں نے اس مناسبت سے درود شریف سے متعلق احادیث بیان کیں۔ رفتہ رفتہ بات حدیث ''ما من احد لسلم علی الا رد اللہ علی روحی'' تک جا پہنچی۔ میں نے حاضرین مجلس سے پوچھا کہ بعض اکابرجو انبیاء کی [بعد از ممات] جسمانی حیات کے قائل نہیں ہیں۔ جیسا کہ نسفی اور علاء الدین قونیوی کے کلام سے پتا چلتا ہے اور میرے شیخ، الشیخ احمد المحدّث الدہلوی کا مآل الیہ بھی یہی ہے۔ انہوں نے ''ردّ روح'' (روح کا لوٹنا) کا کیا مطلب لیا ہے اور اس کی ضرورت کیوں ہے؟ کیوں کہ جب دیگر ارواح مؤمنین کے [اپنے] زائرین سے شعوراوران کے سلام اور ردّ سلام (سلام لَوٹانے) کے بارے میں احادیث وارد ہوئی ہیں تو حضرات انبیاء کرام کے حق میں اس معنی کے واقع ہونے کے کیا کہنے۔ پھر بھی ردّ روح (روح کے لَوٹنے) کی صورت میں ہر گھڑی اور ہر دن جس کثرت سے آنحضرت ﷺ پر سلام بھیجا جاتاہے اسی تعداد میں ان کی موتات کثیرہ لازم آتی ہے۔ یہ عقیدہ اس مذہب جمہور کے منافی ہے جو انبیاء صلوات اللہ علیہم کی جسمانی حیات [بعد ممات] کے قائل ہیں۔ میرے سامعین نے میری تقریر کی پہلی شق اور حدیث کی توجیہ کا انکار کیا اور یہ کہا کہ انبیاء کی حیات جسمانی [بعدممات] نہ تو کسی کا عقیدہ ہے اورنہ ہی کسی کو یہ بات معقول نظر آتی ہے۔ میں نے کہا کہ بعض محدثین اس طرف گئے ہیں اور متأخر احناف نے بھی یہ بات کھل کر بیان کی ہے۔ ان دوستوں نے میری بات کو جھٹلایا۔ میں نے کتاب پیش کی، انہوں نے استدلال مانگا۔ میں نے کہا: ناقل کے لیے نقل کی صحت ضروری ہے نہ کہ استدلال۔ البتہ جب میں استدلال پر آیا تو میرے ان دوستوں نے انکارِ حدیث کیا اور معتبر کتب احادیث کو بھی جھٹلایا۔ میں نے جب دیکھا کہ اس مجلس میں میری

بات سننے والا کوئی نہیں تو مجھے شیخ سعدی کے جدال کی حکایت یاد آگئی(۳۰) اور میں چپکے سے اپنے حجرے میں چلا آیااور کہا:

ہمان یگانۂ عصرم چو مقریِ تسبیح
چہ شد کہ خلق نیارند درشمار مرا

اس بات کو دو ہفتے گزر گئے تو ایک دوست میرے پاس آے اورکہا کہ بعض طالب علم جواس مسئلے کا انکارنہیں کرتے اور کوئی علمی تبحر بھی نہیں رکھتے، وہ چاہتے ہیں کہ آپ اس مسئلے پر فرقۂ ثانیہ کے معتبر اقوال، دونوں مذاہب کی احادیث کی توجیہ اور اس مسئلے پر خود اپنی تحقیق فارسی زبان میں لکھیں تاکہ عامۃ الناس بھی اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔ ناچار یہ چند سطریں حوالۂ قلم کی جاتی ہیں۔''

اس کے بعد مصنف نے یہ ثابت کیا ہے کہ انبیاء خدا کی سنت کے مطابق ایک دفعہ جسمانی اور طبعی موت سے ضرور دوچار ہوتے ہیں، لیکن ان کی روحیں انہیں لوٹا دی جاتی ہیں اور وہ حیات رہتے ہیں۔ اس سلسلے میں مصنف نے حسب ذیل اکابر اوران کی کتب سے اقوال نقل کیے ہیں:

ابو منصور عبدالقاہر بن طاہر بغدادی، بیہقی کی کتاب الاعتقادسے ،شیخ عفیف الدین یافعی، شیخ ابوالحسن شاذلی، ابو نعیم کی دلائل النبوت سے، سہیلی کے رسالہ در مسئلہ حیات انبیاء بابدان در قبور سے، صاحبِ تلخیص، امام الحرمین، شہرستانی، تاج الدین السبکی شافعی کی شفاء الاسقام سے، شیخ جلال الدین سیوطی کی انموذج اللبیب فی خصایص الحبیب سے، قرطبی کے تذکرہ سے، ملّا علی قاری کی شرح حصن حصین سے اور افضل متاخرین محدث حنفی حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی کی مدارج النبوۃ، جذب القلوب، شرح مشکوۃ، مکتوبات اوررسالۂ سلوک اقرب السبل سے۔

یہ سب نقل کرنے کے بعدبابا محمد عثمان نے اپنی راے یوں دی ہے:

(ترجمہ:) ''باوجود صحیح احادیث اور اکابر کے اقوال کے، مناسب یہ ہے کہ ہم فرقۂ اولیٰ [یعنی منکرین] کے کلام کی تأویل بھی اسی مفہوم اور معنی کے مطابق کریں۔ جہاں تک ممکن ہو سکے اور اگر کسی کا فلسفہ میں غور وفکر کے بعد مزاج معتزلی ہوگیا ہے تو وہ بھی انکارِ محض نہیں کرتا، کم از کم حیات کا قائل ہوجاتاہے البتہ اس کی کیفیت کو شارع کے علم سے مفوّض سمجھتا ہے **کما ھی المرتبہ الادنی فی سایر الاحوال البرزخیہ من العذاب الجسمانی والتنعم الجسدانی وغیرھا**، ایسا نہیں ہے کہ یہ لوگ نصوص کو مجاز قرار دیتے ہیں۔ سبحان اللہ! لوگوں پر فلسفیت کس قدر غالب آچکی ہے، کیوں کہ یہ بات خود جب نصوص اور اجماع کے خلاف نہیں ہے، کیوں کہ یہ لوگ حیات بعد الموت کے قائل ہیں

اور موت کی اصل کا انکار نہیں کرتے جس سے نص اور اجماع کی مخالفت ہوتی اور یہ امر ممکن ہے جس کی خبر مخبر صادق ﷺ نے دی ہے اور علماے امت اس طرف گئے ہیں۔ پس انکار کیسا؟۔ **واللہ اعلم بالصواب**۔ فریقین کے مذہب کے مطابق حدیثِ ردّ روح کی بہترین تأویل یہ ہے کہ ردّ روح اشارہ ہے در اصل حضرت قدس کے شہود کے استغراق سے مقدس اور مطہر روح کے توجہ اور اقبال اور اس عالم کی طرف مشاہدۂ ملاء اعلیٰ اور اس کے افاقت اور ادراک کے مراحل کی طرف۔ تا کہ تدارکِ سلام اور اس کا جواب لوٹایا جانا میسر آسکے۔ یعنی نبی کی روح پاک کو معنوی التفات، روحانی نزول اور بشریت کا اثر حاصل ہو جاتا ہے تا کہ اپنی امّت کے سلام کا جواب دے سکے۔''

اس رسالے کا آغاز اس عبارت سے ہوتا ہے: سپاس تقدس اساس حکیم روان آفرینی [را] کہ حلول روح پاک در حلہ خاک و نزول این جوہر لطیف در چنین منزل کثیف مانند آب نیسان در صدف قطرہ واریست۔

کشف المعانی

یہ رسالہ نیشنل آرکائیوز آف پاکستان،اسلام آباد کے جنرل کلیکشن (شمارہ NAP-46) میں محفوظ ہے۔ محرم۱۱۷۶ھ کے اوائل میں بخط شکستہ تیرہ اوراق میں کتابت ہوا۔ نسخے کے آخری ملحقہ ورق پر ایک فارسی نعت درج ہوئی ہے جس میں تخلص ''معظم'' آیا ہے۔ شاید اسی وجہ سے نسخہ فروش نے نسخہ کے ابتدا میں یہ نوٹ لکھا ہے کہ اس رسالے کا مصنف محمد معظم ہے اور یہ بابا محمد عثمان کشمیری کے رسالے کی جواب میں لکھا گیا ہے۔ لیکن مجھے نہ تو محمد معظم کا نام اور نہ ہی بابا محمد عثمان کشمیری کا نام اس کتاب میں ملا۔ نہ اس بات کی تصدیق کسی دوسرے ذریعے سے ہوسکی۔ چون کہ ملحقہ نوٹ میں بابا محمد عثمان کشمیری کا نام آیا ہے اس لیے میں نے اس رسالے کا ذکر یہاں کرنا مناسب سمجھا۔

کشف المعانی دس فلسفیانہ اور عارفانہ سوالات کے جواب پر مشتمل ہے اور اس کا تعلق حیات انبیاء بعد ممات سے نہیں ہے۔[۳۱]

حواشی

۱۔ یہ غالباً نادر شاہ افشار کے دہلی پر حملے (۱۱۵۲ھ/۱۷۳۹ء) کی طرف اشارہ ہے۔

۲۔ فقیر محمد جہلمی، حدائق الحنفیہ، مرتبہ مع حواشی وتکملہ خورشید احمد خان، مکتبۂ حسن سہیل لمیٹڈ، لاہور، صدی ایڈیشن [۱۴۰۰ھ]، ص ۴۷۶

۳۔ رحمان علی، تذکرۂ علماے ہند، مطبع منشی نول کشور، لکھنو، ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ/نومبر۱۹۱۴ء، بار دوم، ص۲۷۵؛ نیز: مرتبہ

و مترجمہ محمد ایوب قادری، پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی، کراچی، ۱۹۶۱ء، ص۵۹۱

۴۔ حاجی محی الدین مسکین کشمیری، تحائف الابرار فی ذکر الاولیاء الاخیار، مطبع سورج پرکاش، امرت سر، ۱۳۲۱ھ، ص۲۵۷۔۲۵۸

۵۔ ایضاً، ص۲۵۸

۶۔ ایضاً، ص۱۶۹۔۱۷۰

۷۔ ایضاً، ص۱۹۶؛ رحمان علی، ص۵۴

۸۔ حاجی محی الدین مسکین کشمیری، ص۲۲۹۔۲۳۰؛۲۶۲؛۳۵۴۔۳۵۵

۹۔ ایضاً، ص۲۴۴

۱۰۔ فقیر محمد جہلمی، ص۴۶۱؛ رحمان علی، ص۲۷، حاجی محی الدین مسکین کشمیری، ص۲۹۹

۱۱۔ حاجی محی الدین مسکین کشمیری، ص۳۰۰؛ رحمان علی، ص۶۷ نے سال پیدائش ۱۱۲۷ھ اورتاریخ وفات ۲۹ذی الحجہ ۱۱۵۱ھ اور فقیر محمد جہلمی، ص۴۶۱ نے تاریخ وفات ۲۳ ذی الحجہ ۱۱۵۱ھ لکھی ہے۔

۱۲۔ حاجی محی الدین مسکین کشمیری، ص۳۰۴۔۳۰۵؛ فقیر محمد جہلمی، ص۴۶۱؛ رحمان علی، ص۱۷۰

۱۳۔ حاجی محی الدین مسکین کشمیری، ص۲۹۶

۱۴۔ ایضاً، ص۲۲۷؛ فقیر محمد جہلمی، ص۴۵۴؛ رحمان علی، ص۱۵۲؛ کشمیر میں اسی نام کے ایک اور عالم دین بھی تھے۔ وہ ملا سلیمان کے شاگرد تھے اور ۳۰ شعبان ۱۲۲۰ھ کو وفات پائی۔ دیکھیے: حاجی محی الدین مسکین کشمیری، ص۳۰۵۔

۱۵۔ حاجی محی الدین مسکین کشمیری، ص۳۰۱

۱۶۔ ایضاً، ص۲۷۔۷۳

۱۷۔ قاضی مبارک گوپامئوی شارح سلم العلوم شیخ محمد دائم فاروقی کے فرزند تھے۔ علم منطق میں کامل تھے۔ ۱۱۶۲ھ/۱۷۴۹ء میں انتقال ہوا۔ رحمان علی، ص۱۷۴۔۱۷۵؛ عبدالحی حسنی، نزہۃ الخواطروبہجۃ المسامع و النواظر، مطبعۃ مجلس دائرۃالمعارف العثمانیہ حیدر آباد دکن، ۱۳۷۶ھ/۱۹۵۷ء، ص۲۴۷۔۲۴۸؛ اختر راہی، تذکرۂ مصنّفین درس نظامی، مکتبۂ رحمانیہ، لاہور، ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء، ص۲۳۸۔۲۴۱

۱۸۔ ہمارے پیش نظر رسالہ حیات انبیاء کے نسخہ میں ''ملا احمد اللہ''ہی تحریر ہوا ہے۔ اگرچہ اس نام کے علماء بارہویں صدی ہجری میں ہندوستان میں گذرے ہیں جیسے مولوی احمد اللہ پانی پتی متوفی ۱۱۹۸ھ (رحمان علی، ص۱۴) اور قاضی احمد اللہ بلگرامی زندہ ۱۱۹۶ھ (رحمان علی، ص۱۵)، لیکن یہ عمر میں بابا محمد عثمان سے کچھ چھوٹے تھے اور بابا صاحب کا ان سے تلمّذ کرنا قرینِ قیاس نہیں ہے۔ میرے خیال میں یہ ملا حمد اللہ سندیلوی ہوں گے جو علم منطق کے شارح تھے اور بابا صاحب نے بھی ان سے کتب منطق پڑھنے کا ذکر کیا ہے۔''شرح تصدیقات سلم العلوم'' معروف بہ'' حمداللہ'' ان کی مشہور تصنیف ہے۔ ۱۱۶۰ھ/۱۷۴۷ء میں دہلی میں وفات پائی۔ رحمان علی، ص۵۲

۱۹۔ میر زاہد ہروی (م۱۱۰۱ھ/۱۶۹۰ء) نے طلبہ کی سہولت کے لیے منطق کی متداول کتابوں پر حواشی لکھے، جیسے حاشیۂ شرح مواقف، حاشیۂ شرح تہذیب المنطق علامہ دوانی، حاشیۂ رسالہ تصور و تصدیق قطب الدین رازی۔ زبید احمد/

ترجمہ شاہد حسین رزاقی، ص۱۶۳؛ اختر راہی، ص۲۳۴۔۲۳۷

۲۰۔۲۱۔ سلم العلوم منطق میں اور مسلم الثبوت اصول فقہ میں قاضی محبّ اللہ بن عبدالشکور بہاری (م۱۱۱۹ھ/ ۸۔۱۷۰۷ء) کی تصانیف ہیں۔ رحمان علی، ص۱۷۵۔۱۷۶

۲۲۔ لاہور میں ایک حنفی عالم دین قاضی محمد افضل لاہوری جو ابو تراب ابن نجیب الدین شیرازی کے شاگرد تھے، گذرے ہیں۔ ان کا انتقال ۱۰۹۲ھ میں ہوا۔ (عبدالحی حسنی، ج۵، ص۳۶۱)۔ یقیناً یہ ہمارے ممدوح کے اساتذہ میں سے نہ ہوں گے، کیوں ان کا زمانہ قدرے پہلے کا ہے۔

۲۳۔ بابا محمد عثمان کشمیری نے اپنی تحریر میں لفظ ''نبایرٗ'' استعمال کیا ہے۔ اگر نبیرہ سے مراد راست یا پہلا پوتا ہے تو یہ زمانہ شیخ عبد الحق محدث دہلوی کے ان تین نبیروں (پوتوں) کا ہو سکتا ہے: شیخ نور اللہ بن شیخ نور الحق(۹۸۳ھ۔ ۹شوال ۱۰۷۳ھ) بن شیخ عبد الحق محدث دہلوی، ابو المفاخر بن شیخ علی محمد بن شیخ عبد الحق محدث دہلوی اور محمد عاصم بن شیخ محمد ہاشم بن شیخ عبد الحق محدث دہلوی۔ یہ سب اصحابِ فضل و تصانیف سے تھے اور درس وتحقیقِ حدیث سے شغف رکھتے تھے۔ آگے ان کی اولاد بھی مثلا شیخ سیف اللہ بن شیخ نور اللہ، شیخ سیف اللہ بن شیخ نوراللہ، حافظ محمد فخرالدین بن شیخ محبّ اللہ بن شیخ نوراللہ اورشیخ الاسلام محمدبن حافظ فخرالدین کو بھی حدیث سے شغف تھا۔ شیخ الاسلام محمد، نادر شاہ کے حملہ (۱۱۵۲ھ/۱۷۳۹ء) تک دہلی میں رہے اور صدر الصدور کی خدمات انجام دیتے رہے۔ خلیق احمد نظامی، حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی، عکسی اشاعت مکتبۂ رحمانیہ، لاہور، بلا تاریخ، ص۲۴۶۔۲۵۷

۲۴۔ اس فہرست میں حجۃ اللہ البالغہ، لمعات، تأویل الاحادیث، عقد الجید، الانصاف فی بیان سبب الاختلاف، قول الجمیل اور ہمعات حضرت شاہ ولی اللہؒ کی تصانیف ہیں۔

۲۵۔ سکھ جیون کی کشمیر میں کارپردازی کی مدت آٹھ سال اور چارماہ (۱۱۶۸ھ تا۱۱۷۵ھ/۱۷۵۵ تا۱۷۶۲ء) ہے۔ نورالدین خان نے اس کی آنکھوں میں سلائی پھروا دی تھی۔

در ہزار ویک صد و ہفتاد و پنج
سوکھ جیون شد تبہ با مال و گنج

دیکھیے: کرپا رام، گلزار کشمیر، طبع ہند، ۱۸۷۱ء، ص۲۳۳

۲۶۔ احمد شاہ درانی نے ۱۱۷۴ھ/۱۷۶۱ء میں پنجاب پر حملہ کیا۔

۲۷۔ بابا محمد عثمان کشمیری، رسالہ مسئلہ حیات انبیاء (فارسی)، قلمی، نیشنل آرکائیوز آف پاکستان، اسلام آباد، ذخیرۂ مفتی، شمارہ: اسلام 646، ورق۸۶۔۸۷

۲۸۔ خود حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے بھی بابا عثمان کشمیری کے نام متعدد خطوط موجود ہیں، جو تصوف کے اعلیٰ مضامین پر مشتمل ہیں۔ دیکھیے: نادر مکتوبات حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی، تحقیق و ترجمہ نسیم احمد فریدی، شاہ ولی اللہ اکیڈمی، پھلت، ۱۹۹۸ء، ۲ جلدیں

۲۹۔ نسخے میں لفظ ''بکن'' پڑھا جاتا ہے لیکن اس کا کوئی مطلب یہاں صحیح نہیں بیٹھتا۔

۳۰۔ شیخ سعدیؒ نے گلستان کے باب ہفتم در تاثیر تربیت میں ایک طویل حکایت ''جدال سعدی با مدعی در بیان توانگری ودرویشی'' لکھی ہے۔

۳۱۔ Masood Ahmad Khan, *Descriptive Catalouge of Manuscripts, Deparatment of Archives, Government of Pakistan*, Islamabad, 1974, p14.؛ احمد منزوی نے فہرست مشترک نسخہ ھای خطی فارسی پاکستان، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۸۴ء، جلد۳، ص۱۷۹۹ اور فہرستوارۂ کتابھای فارسی، مرکز دائرہ المعارف بزرگ اسلامی، تہران،۲۰۰۳ء، جلد۷، ص۵۴۷ میں مسعود احمد خان کی مذکورہ بالا فہرست کے حوالے سے کتاب کا نام ''کشف المعنی'' اور مصنف کا نام ''بابا محمدعثمانی'' لکھا ہے۔ یہ دونوں باتیں صحیح نہیں ہیں۔ خود مصنف نے دیباچے میں لکھا ہے: ''این اوراق کہ بہ کشف المعانی موسوم گشت'' (ورق۲ الف) لہذا اس کا نام کشف المعانی ہی صحیح ہے۔ مسعوداحمد خان نے بھی غالبا نسخہ فروش کی یادداشت کی مدد سے یہ بات لکھی ہے کہ یہ رسالہ بابا محمد عثمان کے رسالہ کے جواب میں ہے۔

[ضمیمہ]

دیباچۂ رسالۂ حیات انبیاء

(مشمول سرگذشت مؤلف)

سپاس تقدس اساس حکیم روان آفرینی [را] کہ حلول روح پاک در حلۂ خاک و نزول این جوہر لطیف در چنین منزل کثیف مانند آب نیسان در صدف قطرہ واریست از ابر گوہر بار حکمتش۔ این تہی دست بازار معرفت و شناسایی و بیسواد دبستانِ حیرت و دانایی را چہ یارای بیان و ستایش بی آلایش کریم جان بخشی کہ حیات انبیا بعد ممات علیہم الصلوات چون ایجاد آب حیات در ظلمات چشمہ کاریست از بحر زخار کرامتش۔ این مردہ کور جہالت و نادانی را چہ اندازۂ تبیان۔

ای عطا پاش خطا پوش
وی کرم فرمای عذر نیوش

لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک۔

حمد تو خواست چرخ نویسد تمام را
برہفت پشت خویش کند زندہ نام را
چون خرج شد سیاہی شبہاش پرصبح
گفتا بخندہ اش کہ نوشتی کدام را؟

و درود نا محدود نثارِ روزگار فاتحۂ کتابِ رسالت و خاتمۂ رسالۂ نبوت، ثمرِ پیش رسِ باغستان قدم، واسطۂ انتظام سلسلۂ آفرینشِ عالم و آدم، مہرِ سپہرِ اصطفا، شمع شبستانِ اجتباو صفا، صاحبِ سریر خطۂ خاک، صدرنشینِ چار بالش

لولاک، شهسوارِ مضمارِ ''سبحان الذی اسری'' محرمِ حریم ''فتدلی فکان قاب قوسین او ادنی''، محمد مصطفیٰ **صلی الله علیه کما ینبغی ان یصلی** و مستنشقان روایح رحمت و گلچینانِ باغستان وحدت و قربت، خرقہ پوشان خانقاہ تجرید، رازداران درگاہ تفرید معنی آل اطہار واصحاب اخیار۔ **رضی الله عنهم و ارضا هم عنا**۔

واما بعد، می گوید عاصی سراپا معاصی خاکسار پریشان بابا محمد عثمان بن بابا محمد فاروق بن شیخ محمد چشتی المعروف بہ شیخ بابا۔ **کان الله لهم فی الدنیا والعقبیٰ**۔ کہ خاکسار در سن چہار سالگی بہ حفظ قرآن مشغول شدہ ؛تا سن دہ سالگی ازان فراغ گشتہ بہ تحصیل کتب فارسی کہنہ و تازۂ نظم و نثر تاریخ وغیرآن شروع نمودہ ؛در سن دوازدہ سالگی از رسائل متداولۂ آن فراغت دست دادہ ؛ تألیفات نظم و نثر، غزل ومثنوی موافق استعداد اتفاق افتاد وبہ درس علوم عربیہ اشتغال نمودہ ۔در اندک زمانی کتب معقول و منقول متداولۂ این دیار در خدمت اکابر روزگار گذرانیدہ ۔ در ہفدہ سالگی بہ اجازت اساتذہ مشغول تدریس گشت و کما بیش دوسہ سال بدین منوال گذشت۔ و در ہمان اثنا والدمرحوم رحلت فرمود و اختلال احوال رونمود۔ و در سن بیست و چہار سالگی بہ ہندوستان رفتہ، اولیا و فضلای سیالکوٹ و لاہور را دریافتہ بہ دہلی رسیدو تدریس مدرسۂ قدیم نواب روشن الدولہ تعلق بہ فقیر گرفت و با بزرگی از اکابر امرا صحبتِ مرافقت صورت بست وقُوتِ لابدی ازین دو مکان محصّل می گشت ۔وصحبت قاضی مبارک و ملا احمد اللہ ودیگر فضلای پورب و اخذ حواشی میر زاہد ہروی وسلم ومسلمِ ایشان میسر آمدو احراز سعادت دیدار بسیاری از اولیا نمودہ ۔اجازت کتب ستہ از خدمت حاجی محمد افضل لاہوری شاگردِ شیخ عبداللہ سالم بصری وازخدمت نبایرِ شیخ عبدالحق دہلوی یافتہ۔ چہاردہ سال در خدمت شیخ دہلی شاہ ولی اللہ محدّث نقشبندی عمری آمدو شدنمودہ و اکثری از صحاح ستہ و پارۂ مسند امام احمد وموطای امام مالک وآثار امام محمد و موطای امام محمد و حجۃ[اللہ]بالغہ و اکثر فصوص الحکم و پارۂ فتوحات مکیہ و نصفِ عوارف المعارف و قصیدۂ فارضیہ و الہیاتِ شفا و لحات [کذا:لمعات] و تأویل الاحادیث و انتصاف [کذا:الانصاف؟] وقول جمیل و ہمعات در خدمت ایشان خواندہ و نصف اخیر کلام مجید با ظاہر(؟) آن ازایشان شنیدہ و معرفت طُرق حدیث و قاعدۂ تحدیث و روایت و استنباط احکام محصل گشتہ و اجازت جمیع مرویات ایشان یافتہ در طریقۂ نقشبندیہ داخل شدہ اشغال گرفتہ آشنا بہ طرفی از نسبت شدہ و اشغال طریقۂ قادریہ و چشتیہ وسہروردیہ آموخت و چہ فوایدکہ نیندوخت۔ **والحمد لله علی ذلک**۔ و در سی و ہشت سالگی از خدمت ایشان مرخّص شدہ بہ مسقط الراس رسید۔ چون ایام تسلطِ سُکھ جیون مقہور بود، خود را ازسعی واگذار چند ہزار دام معاش عطای چغتہ باز داشتہ در زاویۂ خمول بہ اوراد و اشغال و پارہ ای بہ درسِ معقول ومنقول اشتغال نمود۔ سہ سال کما بیش برین حال بہ عسرت و پریشانی گذرانید و از احدی از اغبیای اغنیایِ خطہ ۔**خذلهم الله تعالی**۔ روی التفاتی و مراعاتی ندید۔ تا آن کہ رایات عالیات پادشاہ اسلام، اشجع سلاطین انام، خاقان جہاندار، جہانگیر سکندر پیکار، ارسطو تدبیر،علم زور (؟)، عالم پناہ ،عدل گستر، احسان دستگاہ

پادشاہی کہ بود احمد غازی نامش
کوس اسلام پر آوازہ فراز بامش

ببیت تیغ جہان ستانش کیخسرو را از غار زندہ درگورکردہ و سطوت حکم روانش بہرام را بہ دشتبانی گوراگور آوردہ، سام از کہنہ

لواران (؟) اوست و زال از پیر غلامان او۔

شهی بر صیت جاهش ربع مسکون سریر آرا برای او فریدون

کیومرث از کجا می آرد این جاه یکی هست ازکله دوزان درگاه

مسخّر چون نباشد روم و شامش سکندر از دو قرن آید غلامش

دامت المملکة تحت ظلال عدله و احسانه و قامت الدوله بالویة برّه و امتنانه

بصوب پنجاب نهضت نموده سردار کثیر الاقتدار نورالدین خان را جهت تسخیر خطه مرخص فرموده، بتأییدات غیبی کشمیر جنت نظیر به دست ایشان مفتوح شده تحت تصرف اولیای دولت درآمد و متعاقبِ آن نواب منعم الدوله سدو زئی به صوبه داری واردِ کشمیر شده دادبه نصفت و احسان داد و قدردانی فقرا و علما نموده خاکسار را هم طلب فرموده مشمول اعطاف ساخته به واگذار چند هزار دام عطای چغته در عهد سکھ جیون که ضبط بود نواخته اند، پاره ای از پریشانی برآمده فرصتی دست داد و تعلیقات بر حواشی زاهد وشرحی مختصر بر سلم و در تصوف و حدیث رسائل مختصره و به امر ایشان ترجمۂ زبدة الآثار و ترجمۂ فتوحات تاسفر سادس اتفاق افتاد۔بعد دو [یا:ده] سال که ایشان به حضور پر نور تشریف برده اند دعاوی فقرا۔که پیوسته درعداوت این طایفۂ جلیله سعی بلیغ داشته اند و دارند ۔ دامهای واگذار شده فقیر در ضبط آوردند و صدروپیه به مصادره بردند۔ باز پریشانی رو آورد و پا به دامن خمول پیچید۔ تا آن که درین ولا۔که سنه یک هزار و یک صد و هشتاد هجری ست۔ به تحریک بعضی طالب علمان نواب مصلح الدوله خاکسار را طلبیده ایمایی به مناظره و بیان مسئله فرمود۰۰۰۔